آؤعلم سے پیار کریں

فیضِ ملت، آفتابِ اہلسنت، امام المناظرین، رئیس المصنفین
حضرت علامہ الحافظ مفتی
محمد فیض احمد اُویسی رضوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شکریہ

ہم عزت مآب جناب محمد نعمان فیضی اویسی صاحب کے نہایت مشکور وممنون ہیں کہ انھوں نے حضرت علامہ مولانا مفتی محمد فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یہ کتاب انٹرنیٹ پر پبلش کرنے کے لئے نفس اسلام کو عنایت فرمائی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے اس تعاون اور نفس اسلام کے ساتھ شفقت فرمانے پر ان کو اجر کثیر عطا فرمائے اور قبلہ فیضی صاحب کے فیوضات و برکات سے فیضیاب فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین ﷺ

!!! دعاؤں کی طلبگار !!!

نفس اسلام ویب ٹیم

www.nafseislam.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

آؤ علم سے پیار کریں

مصنف

فیضِ ملت، آفتابِ اہلسنت، امام المناظرین، رئیس المصنفین
حضرت علامہ الحافظ مفتی محمد فیض احمد اُویسی رضوی مدظلہ العالی

سعادتِ نشر

حضرت علامہ مولانا حمزہ علی قادری صاحب مدظلہ العالی

{احادیثِ مبارکہ}

(1) نبی پاک ﷺ نے فرمایا جوشخص علم کے لئے نکلتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جنت کی راہوں میں سے ایک راہ پہ لے جاتا ہے فرشتے اسکے لئے پر بچھاتے ہیں اور عالم دین کے لئے آسمان کے فرشتے سب مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ عالم کی بزرگی عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی برتری تمام تاروں پر اور علماء، انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء کرام نے دینار و درہم کا کسی کو وارث نہیں ٹھہرایا ہے۔ (ابوداؤد)

(2) حضور سرور عالم نور مجسم ﷺ نے فرمایا کہ رشک دو آمیوں پر ہوسکتا ہے، ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ اسے حق کی راہ پر خرچ کرے اور دوسرا وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہو اور وہ اس کے مطابق فیصلے کرے اور اس کی تعلیم دے۔ (ریاض الصالحین)

فائدہ: علم وہی ہے، جس سے انسان نفع حاصل کرے۔ رسول کریم ﷺ نے اس علم سے خدا کی پناہ طلب کی ہے، جو نفع نہ پہنچائے۔

(3) فرمایا اس علم کی مثال جس سے نفع حاصل نہ کیا گیا ہو، اس خزانے کی مانند ہے، جس میں سے راہ خدا میں کچھ خرچ نہ کیا جائے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم

علم دین سیکھنے کے لئے قرآن کریم اور حدیث شریف میں بہت زیادہ شوق

دلا یا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام اور ان کے زمانہ مبارکہ کے قریب والے لوگوں کا یہ شوق جنون کی حد تک بڑھا ہوا تھا۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ

ابو داؤد اور ترمذی میں ہے کہ ایک شخص نے مدینہ منورہ سے شام تک کا سفر صرف اس غرض سے کیا کہ وہ ایک صحابی سے رسول اکرم ﷺ کا فرمان سن لے۔
حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ جو مدینہ منورہ میں رسول کریم ﷺ کے سب سے پہلے میز بان بنے، انہوں نے صرف ایک حدیث کی خاطر مدینہ منورہ سے مصر تک کا سفر کیا اور عجیب تر بات یہ ہے کہ اپنے اس صحابی دوست سے حدیث سن لینے کے فوراً بعد ہی اونٹ پر سوار ہو کر واپس مدینہ منورہ کا رخ کیا اور مصر میں انہوں نے کجاوہ تک نہیں کھولا تھا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو معلوم ہوا کہ ایک صحابی حضرت عبداللہ بن انیس انصاری رضی اللہ عنہ پیارے محبوب ﷺ کی ایک حدیث بیان کرتے ہیں، چنانچہ انہوں نے ایک اونٹ خریدا اور زین کس کر (بالان، ایک مظبوط اور موٹا کپڑا) اس صحابی کی تلاش میں نکل پڑے، ایک مہینہ کے بعد شام پہنچ کر اس صحابی سے ملے، مصافحہ و معانقہ (گلے لگنا اور ہاتھ ملانا) کے بعد اپنا مطلب ان کے سامنے

پیش کیا، انہوں نے حدیث سنائی اور علم کا یہ پیاسا اپنی تشنہ لبی (لبوں کی پیاس) کا علاج پا کر اسی وقت واپس لوٹ آیا۔

تابعین وآئمہ مجتہدین

شوق طلبِ علم صحابہ کرام سے تابعین میں اور تابعین سے آگے منتقل ہوتا رہا۔ چنانچہ علماء کرام کے تذکروں میں بے شمار ایسے واقعات ملتے ہیں کہ بیک وقت ایک ایک عالم کے درس میں چالیس چالیس ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ طلبہ شریک رہتے۔ تذکرۃ الحفاظ میں حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ تیسری صدی ہجری میں مسلمانوں کے طلبِ علم کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک مجلس میں دس دس ہزار دواتیں موجود ہوتیں۔ خلیفہ معتصم باللہ نے اپنے دور میں ایک آدمی کو مقرر کیا کہ وہ اس وقت کے محدث عاصم بن علی کے شاگردوں کی تعداد کے بارے میں رپورٹ کرے۔ یہ بزرگ بغداد شریف سے باہر درسِ حدیث کی مجلس منعقد کرتے تھے۔ سرکاری گماشتے (وہ شخص جس کے سپرد کوئی کام کیا گیا ہو) کے بتائے ہوئے اعداد وشمار کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار تشنگان (پیاسے) علوم تھے، جو علمِ حدیث کے اس بحرِ ذخائر سے سیراب ہو رہے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک

امام عبداللہ بن مبارک دوسری صدی ہجری میں حدیث وفقہ کے نہایت بلند

پایہ عالم تھے اور جنہیں امام ابو اسامہ امیر المومنین فی الحدیث اور امام احمد بن حنبل حافظ الحدیث و عالم کہتے ہیں اور عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے استاد حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ انہیں عالم المشرق والمغرب کہنے کا حکم فرماتے تھے اور جن کے تلامذہ (شاگرد) میں حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگ موجود ہیں ۔ وہ ایک مرتبہ شہر رقہ میں تشریف لائے ، اتفاق سے اُن دنوں خلیفہ ہارون الرشید بھی وہیں مقیم تھے ، امام صاحب شہر میں داخل ہوئے تو لوگ دیوانہ وار اُن کی طرف دوڑے ، ایک شور و غوغا بلند ہوا ، فضا پر غُبار چھا گیا ۔ خلیفہ ہارون الرشید کی بیوی نے محل کی چھت پر چڑھ کر دیکھا تو پوچھا کیا بات ہے ؟ بتایا گیا کہ خراسان سے ایک عالمِ دین تشریف لا رہے ہیں وہ حیران ہو کر بولی کہ حقیقت میں بادشاہ تو یہی بزرگ ہیں ہارون تو ڈنڈے کے بغیر لوگوں کو جمع ہی نہیں کر سکتا ۔

تھیلی کا خون

ایک رات غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ مصروفِ عبادت تھے ۔ رات نصف سے زائد گزر چکی تھی ۔ شہر پر ہو (خوف وڈر) کا عالم طاری تھا ۔ اس ہو کے عالم میں بغداد کے خلیفہ آپ کی مجلس میں حاضر ہوئے اور سلام کر کے مودبانہ بیٹھ گئے ۔ اُن کے ہمراہ دس غلام اشرفیوں کی تھیلیاں اُٹھائے ہوئے تھے ۔ یہ اشرفیاں وہ اُن کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے آئے تھے ۔ لیکن اُنہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا ۔ اُنہوں

نے بے حد اصرار کیا تو اُس پر اُن درویش نے ایک تھیلی اپنے دائیں ہاتھ میں اور ایک بائیں ہاتھ میں پکڑ کر دونوں کو دبایا۔ اشرفیاں خون بن گئیں اور خون تھیلیوں سے ٹپکنے لگا۔ اس کے بعد وہ بغداد کی طرف متوجہ ہوئے اور اُن سے کہا۔

''اے ابوالمظفر! تم اللہ سے نہیں ڈرتے کہ لوگوں کا خون نچوڑ کر میرے پاس لائے ہو''۔

یہ سن کر بغداد کے خلیفہ پر ایسی دہشت طاری ہوگئی کہ وہ سکتے میں آ گئے۔ اِس پر درویش نے جلال میں آ کر کہا۔

''اگر تمہارا نسبتی رشتہ آں حضرت ﷺ سے متصل (جُڑا) نہ ہوتا تو اللہ کی قسم میں اِس خون کو تمہارے محلوں تک بہا دیتا''۔

اصل بادشاہ

عباسی خلیفہ ابوالمظفر المستنجد باللہ جو ۵۵۵ ہجری میں خلیفہ المقتفی باللہ کے بعد مسندِ خلافت پر متمکن (قائم) ہوئے۔ وہ اُس دُرویش کے بڑے عقیدت مند تھے۔ اور اکثر و بیشتر اُس دُرویش کی خدمت میں آ کر حاضری دیتے رہتے۔ اُن کے پند و نصائح (نصیحت) سنتے۔ اُن کا بے حد احترام کرتے۔ ایک شام کو یہ بزرگ مسجد میں آ کر ابھی کھڑے ہی ہوئے تھے کہ اُنہیں یہ خبر ملی کہ خلیفہ مستنجد باللہ بھی آ رہے ہیں۔ وہ فوراً چلے گئے۔ جب خلیفہ مجلس میں آ کر بیٹھ گئے تو اُنہوں نے آ کر خطاب

کیا۔اُن کی مجلس کی شان اور اُن کا رعب دیکھ کر خلیفہ نے کہا۔

''اصل بادشاہت تو یہی ہے''۔

فائدہ : حضور غوثِ اعظم ﷺ کے اِس قسم کے بیشمار واقعات ہیں بلکہ آپ کے طفیل آپ کے غلاموں کو بھی اس طرح کی عزت وعظمت آج بھی حاصل ہے کہ وہ دنیا کے بادشاہوں اور سربراہوں کو خاطر میں نہیں لاتے۔تاریخ کے اوراق اس قسم کے واقعات سے مالا مال ہیں۔

محدثِ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ

اُستاذِ مکرم علامہ محمد سردار احمد محدثِ اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ فیصل آباد (لائلپور) سے ملتان شریف مدرسہ انوار الابرار کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لئے تشریف لائے تو اسٹیشن ملتان سے لے کر دہلی دروازہ تک دورویہ لوگوں کا اتنا ہجوم تھا کہ تِل دھرنے (پاؤں دھرنے) کی جگہ نہ تھی لوگ حیران ہو کر پوچھتے کہ یہ کس شہنشاہ کی آمد ہے۔جواب ملتا کہ ایک عالمِ دین مدرسہ کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لئے تشریف لا رہے ہیں عوام کہتی ''ہاں حقیقی شہنشاہ یہی لوگ ہیں''۔

فقیر اُویسی غفرلہ

سفرِ حجازِ اقدس اور شام وعراق کے سفر سے واپس آیا تو بہاول پور ہوائی اڈہ (ائیر پورٹ) سے شہر تک لوگ ملاقات کے لئے تشریف لائے تو کارکنان ہوائی اڈہ (ائیر پورٹ) پوچھتے ہیں کہ کون سے وزیرِاعظم صاحب کی آمد ہے لوگوں نے کہا ''اُویسی صاحب مدینہ شریف سے واپس آرہے ہیں اسی لئے یہ لوگ زیارت کے لئے آتے ہیں''۔ اہلیانِ ہوائی اڈہ (ائیر پورٹ) کہتے ''ہاں مدینے کے فقیریوں ہی ہوتے ہیں''۔

{شاہانِ اسلام اور اُمراء کرام}

عوام میں تحصیلِ علم کا شوق تھا ہی، اُمراء بھی اس لحاظ سے کچھ پیچھے نہ تھے۔ چنانچہ چند شواہد حاضر ہیں۔

ہارون الرشید:

خلیفہ ہارون الرشید جو اپنے وقت میں کرۂ ارض کا سب سے بڑا فرمانروا تھا اُس نے اپنے دونوں بیٹوں شہزادہ امین اور شہزادہ مامون کو حدیث کا علم دلانے کے لئے بغداد سے مدینہ منورہ بھیجا اور وقتاً فوقتاً خود بھی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا۔ ایک مرتبہ اُس کے سامنے یہ واقعہ پیش آیا کہ امام صاحب درسِ حدیث سے فارغ ہو کر اُٹھے تو شہزادے نے امام صاحب کی جوتیاں سیدھی کر کے آگے رکھیں، خلیفہ نے یہ منظر دیکھا تو بولا دراصل بادشاہ یہ ہیں کہ فرمانروائے وقت

کے بیٹے اُن کے آگے غلام بے دام بنے ہوئے ہیں۔

حضرت معن بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ:

آپ خلیفہ ہارون الرشید کے ربیب (سوتیلے بیٹے) تھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث کا علم حاصل کیا۔ اُستاد سے محبت کا یہ عالم تھا کہ جدا ہونا گوارا نہ تھا۔ اکثر و بیشتر اُن کے دروازے پر پڑے رہتے، جو کچھ سنتے لکھ لیتے تھے۔ جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بوڑھے ہوگئے اور اُنہیں چھڑی کی ضرورت محسوس ہوئی تو یہی معن اُنہیں عصا کا کام دیتے تھے اور آپ اُن کے کندھے کا سہارا لے کر نماز باجماعت کے لئے مسجد تشریف لے جاتے۔ لوگ اُن کو "عصائے مالک" کہتے تھے۔

فائدہ: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ کا ایک خادم جو ہر وقت خدمت میں رہتا تھا اُسے فقہ کے مسائل اتنا بکثرتِ حفظ تھے کہ لوگ اُنہیں شرح وقایہ (ایک کتاب کا نام) کہتے تھے۔

سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ نے ایک جامع مسجد کی بنیاد رکھی، جس کی تعمیر سنگِ مرمر اور قیمتی پتھروں سے ہوئی۔ مسجد ایسی شان دار اور خوبصورت بنوائی کہ لوگ اُس کو دیکھ کر انگشتِ بدندان (داتوں میں انگلیاں دباتے یعنی حیران) رہ جاتے۔ پھر اُسے

انواع (رنگبرنگی) واقسام (قسم قسم کے) کے قیمتی قالینوں اور فانوسوں سے آراستہ کیا، لوگ اُس مسجد کو عروسِ فلک یعنی آسمان کی دلہن کہتے تھے۔ اُس مسجد سے ملحق سلطان نے ایک مدرسہ تعمیر کروایا، جس میں عمدہ اور نادر کتابیں مہیا کیں اور بہت سے گاؤں اُس مسجد اور مدرسہ کے لئے وقف کردیئے گئے۔ مؤرخ (تاریخ لکھنے والا) لکھتا ہے کہ سلطان کی اِس بات کو دیکھ کر اُمراء اور ارکانِ دولت مساجد، مدارس اور مہمان خانے میں ایک دوسرے سے سبقت (فوقیت) لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ (تاریخِ فرشتہ)

سلطان التمش:

سلطان شمس الدین التمش جو دہلی کا پہلا خود مختار تخت نشین تھا، اُس کے دربار میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی اور وہ دربار میں وعظ اور علمی مباحثوں اور مذاکروں کی مجلس قائم کرواتا۔ اولیاء اللہ اور علماء شریعت سے اسے قلبی لگاؤ تھا۔ یہ واقعہ تو بہت مشہور ہے کہ خواجہ خواجگان خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھا اور خواجہ علیہ الرحمۃ کی وصیت کے مطابق شیخ کا جنازہ بھی سلطان شمس الدین التمش نے پڑھایا۔

سلطان بلبن : غیاث الدین بلبن کے دربار کی تاریخ بھی علماء کرام کے تذکروں سے پُر ہے۔بلبن کی دوسری کمزوریوں کے باوجود اس کی خوبی سے انکار نہیں کہ وہ علماء کرام کے ساتھ بڑی عقیدت ومحبت سے پیش آتا تھا۔ بلخ کے ایک عالم مولانا برہان الدین، دہلی میں رہتے تھے، بلبن ہر ہفتے اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا، جب کوئی عالم یا شیخ فوت ہوتا تو اُس کی نماز جنازہ پر حاضر ہوتا۔سلطان محمد تغلق ایک بادشاہ ہونے کے باوجود نہ صرف حافظِ قرآن تھا بلکہ عربی و فارسی میں مکمل مہارت رکھتا تھا۔فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ شریف اس کے نوک بہ زباں (زبانی حفظ) تھی۔

سلطان تُغلق:

دہلی کا ایک اور تاجدار فیروز شاہ تُغلق بھی قابل ذکر ہے، اسے علم کی اشاعت اور مدارس قائم کرنے سے بڑی دلچسپی تھی ۔اُس نے حوضِ خاص کے کنارے ایک دینی مدرسہ تعمیر کرایا، جس کا نام ''فیروز شاہی'' رکھا۔اُس کی عمارت دومنزلہ تھی، اُس میں شیراز اور دمشق کے عالیشان قیمتی قالین بچھے رہتے تھے۔اُس کے صدرِ مدرس اُس وقت کے مشہور عالم مولانا مجدالدین فیروز آبادی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔مدرسہ

کے اُساتذہ مصری عمامہ باندھتے اور شامی جبہ پہنتے تھے۔طلباء کوکھانے کے علاوہ سرکاری خزانہ سے وظائف دیئے جاتے تھے۔کھانے میں تیتر، بٹیر اور دوسرے پرندے، گھی میں تلے ہوئے مرغ، پراٹھے اور ہر قسم کے تازہ اور خشک پھل شامل ہوتے تھے۔ اُس نے دیگر فقہی تصانیف کے علاوہ علومِ دینیہ میں دو مبسوط (مستند) کتابیں مُدَوَّن (جمع) کرائیں، اُن میں سے ایک تفسیر ہے اور دوسری فقہ سے تعلق رکھتی ہے۔

سلطان ھمایوں:

ہمایوں بادشاہ ایک فاضل آدمی تھا اور اُس کی یہ صفات تولائقِ صد تحسین ہیں کہ:

(۱) وہ کبھی بے وضو نہیں رہتا تھا۔

(۲) اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا نام وضو کئے بغیر نہ لیتا تھا۔

(۳) اُس کی زبان پر کبھی کوئی لغو (فضول) بات یا گالی نہیں آتی تھی۔

(۴) ہمایوں گھر اور مسجد میں داخل ہوتے وقت کبھی بایاں پاؤں پہلے نہیں رکھتا تھا۔

ہمایوں کی علم دوستی اور نیکی کی اہم دلیل اس کا قصۂ مرگ ہے، وہ یوں کہ ربیع الاوّل ۹۶۳ھ کو وہ اپنے کتب خانہ کی چھت سے اتر رہا تھا کہ اذان شروع ہوگئی اور ہمایوں اُذان کے احترام میں سیڑھیوں پر ہی بیٹھ گیا، جب اذان ختم ہوئی تو وہ اٹھا، پاؤں پھسلا اور لڑکھڑاتا ہوا زمین پر پہنچا اور چند دنوں بعد فوت ہوگیا۔ (شاہانِ مغل)

ایک مغل بادشاہ کی علم پروری کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے تقریباً چارسو ۴۰۰ علماء کرام کی خدمات حاصل کر کے 'فتاویٰ عالمگیری' جیسی عظیم الشان کتاب مرتب کروائی ۔ عالمگیر، شیخ احمد المعروف ملاجیون کا شاگرد تھا، جن کی تصانیف میں سے تفسیرِ احمدی اور نورالانوار بھی ہیں ۔

ہارون الرشید کی علم نوازی:

خلیفہ ہارون الرشید بنفسِ نفیس علماء کرام کی خدمت کے فرائض انجام دیتا، کھانے کے وقت علماء کے ہاتھ خود دُھلاتا۔ ایک مرتبہ اُس نے اپنے بیٹے کو دیکھا کہ وہ فنونِ عربیت کے امام اِصمعی کے پیروں پر پانی ڈال رہا ہے اور اِصمعی وضو کر رہے ہیں ،ہارون نے دیکھ کر کہا، اصمعی! آپ نے میرے بیٹے کی تربیت کا حق ادا نہیں کیا، یوں کیوں نہیں کیا کہ آپ اسے حکم دیتے اور وہ ایک ہاتھ سے پانی ڈالتا اور دوسرے ہاتھ سے تمہارے پاؤں کو دھو دیتا۔

تیمور لنگ:

امیر تیمور لنگ ایک ٹھاٹھ دار بادشاہ تھا، لیکن یگانۂ روزگار (بے نظیر) عالم علامہ تفتازانی کو اپنے تخت پر اپنے پہلو میں بٹھاتا تھا۔

اکبر بادشاہ:

اکبر خود اَن پڑھ تھا، لیکن اہلِ علم کی قدر کرتا اور مشہور کتابیں باقاعدگی سے

پڑھوا کر سنتا۔ ملا مبارک کے بیٹوں ابوالفضل اور فیضی کو اکبر کے دور میں ایک امتیازی مقام حاصل تھا۔ یہ فیضی وہی ہے، جس نے پورے قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھی اور پوری تفسیر میں کہیں بھی نقطوں والا کوئی حرف استعمال نہیں کیا۔ یہ تفسیر ''سواطع الالھام'' کے نام سے چھپی، جو دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

شاھجھان:

شاہ جہان بھی علماء وفضلاء کا بڑا قدر دان تھا، اُس کا زمانہ اسلامی فنِ تعمیر کے عروج کا زمانہ ہے۔ اُس کے دور میں جامع مسجد دہلی، تاج محل، لال قلعہ دہلی، جہانگیر کا مقبرہ، شالا مار باغ اور دوسری عمارتیں تعمیر ہوئیں، جنہیں دیکھ کر اس دور میں بھی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اُس کے دور میں شریعت اور علوم اسلامی کی اِشاعت خوب ہوئی۔ اُس نے اشاعتِ علم کو بڑی ترقی دی، مدرسوں کے لئے زمینیں وقف کیں اور اساتذہ کے مشاہرے (ماہوار تنخواہ) اور طلباء کے لئے شاہی خزانے سے وظائف مقرر کئے۔

علامہ سیالکوٹی:

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ اُس کے عہد میں یکتائے روزگار (اپنی مثال آپ) تھے۔ شاہ جہان نے اُن کو دو مرتبہ چاندی میں تولا۔ ایک مرتبہ اس نے

قاضی محمد اسلم ہراتی رحمۃ اللہ علیہ کو سونے سے تول کر سونا اُن کی نذر کر دیا۔ قاضی محمد اسلم رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۰۶۱ھ کو لاہور میں ہوئی اور وہیں دفن ہوئے۔

سلطان لودھی:

سلطان سکندر لودھی اپنے دربار میں ستر (۷۰) علماء کرام کو موجود رکھتا اور مولانا عبداللہ تلمبی رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں شریک ہوتا اور بعد اختتام درس آپ کی جوتیاں اٹھا کر سامنے رکھتا اور اس کو اپنے لئے عظیم سعادت شمار کرتا۔

علم کیا ہے؟

بعض لوگ کالج و اسکول کی تعلیم کو علم سمجھتے ہیں یہ غلط ہے۔ اس لئے کہ کالج کی تعلیم ایک فن اور ہنر ہے اور دنیوی زندگی گذارنے کا ایک ذریعہ ہے۔ ہاں اسلام جس علم کو حقیقی قرار دیتا ہے اور جس کے حصول میں وہ یہاں تک کہہ دیتا ہے کہ فرشتے طالبِ علم کی رضا و خوشنودی کے لئے اپنے پروں کو اُس کے پاؤں کے نیچے بچھاتے ہیں۔ وہ ایسا علم نہیں جس سے صرف روٹی کا مسئلہ حل ہو سکے یا صرف معاشرہ میں انسان بلند مقام حاصل کر سکے، ایسا علم اسلام کی نگاہ میں معیوب ہے۔

اسلام کی نگاہ میں علم وہ ہے جس کے پڑھنے سے آدمی اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے محبوب ﷺ سے شناسا ہو۔ اسلامی عقائد و اعمال سے آگاہی حاصل کرے، اسلامی شعائر کا ادب و احترام سیکھے۔ اسلاف کی محبت دل میں پیدا ہو اور دل

میں غیر متزلزل (نہ ہلنے والے) قسم کا ایمان کروٹ لے، جو علم انسان کو ربِّ رحیم سے بیگانہ، رسول کریم ﷺ سے متنفّر (بدظن)، صحابہ کرام سے باغی اور اہلِ اللہ سے دور کردے، وہ علم نہیں جہل ہے۔ مقامِ افسوس ہے کہ اکثر مسلمانوں نے اس دورِ فتن میں جہل ہی کو علم سمجھ رکھا ہے جانے کب لوحِ ذہن سے یہ آثار محو (فنا) ہوسکیں گے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارا نظامِ تعلیم ایسا ہو، جو دین و دنیا کا فرق ختم کردے اور تمام علومِ دینی قالب میں ڈھل جائیں ۔ ہمارے مدارس ومکاتب کا ماحول دینی ہو، اساتذہ وطلباء دینی جذبہ سے سرشار ہوں، اِن حالات کو پیدا کئے بغیر علمِ حقیقی کی غرض وغایت (غرض ومطلب) پیدا نہیں ہوسکتی۔

اِزالۂ وہم

بعض علماءِ کرام اس وہم میں مبتلا ہیں کہ علمِ اسلامی میں معاش معاشرہ کی تنگی ہے اسی لئے اولاد کو کالجوں اور اسکولوں کی تعلیم ضروری ہے۔ وہ شاید بھول گئے ہیں کہ رزق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

؎ اگر روزی بدانش برفزودے

زناداں تنگ تر روزی بنودے

سابق دور میں بھی بعض علماءِ کرام کو روزی کی تنگی نے ستایا لیکن انہوں نے علم کا دامن نہ چھوڑا۔ اگرچہ اُن کے سامنے بھی نااہل لوگ روزی کے لحاظ سے بلندیوں پر

تھے چنانچہ ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔

حکایت

ایک عالم فاضل شخص حالات سے مجبور ہو کر رزق کی تلاش میں مارا مارا تھا۔ دورانِ سفر ایک دن اُسے ایسے شہر میں پہنچنے کا اتفاق ہوا، جس کے تمام دروازے بند تھے۔ اُس نے باہر والے لوگوں میں سے ایک بزرگ سے دروازوں کے بند ہونے کی وجہ پوچھی، تو اسے بتایا گیا کہ بادشاہ کا باز اُڑ گیا ہے، اس وجہ سے اُس نے تمام دروازوں کو بند رکھنے کا حکم دیا ہے، جب تک کہ باز نہ مل جائے۔ عالم نے کہا کہ باز آسمانی پرندہ ہے، اُس کو شہر کے دروازوں کی بندش کیسے روک سکتی ہے؟ اور حیرانی کی بات یہ ہے کہ ربِّ کریم کی حکمت میں کس کو دخل ہے کہ ایک طرف ایسے بے وقوف کو بادشاہت دے کر لاکھوں انسانوں کو عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے اور دوسری طرف صاحبِ علم و ہنر تلاشِ رزق میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ لیکن اتنا بھی میسّر نہیں آتا جس سے ضروریاتِ زندگی ہی پوری ہو سکیں۔ بزرگ شخصیت نے اس عالم کی یہ بات سنی تو جواب دیا کہ کیا تو اس بات پر رضامند ہو سکتا ہے کہ اُس بادشاہ کا دماغ، تیرے دماغ میں بھر دیا جائے اور پھر یہی بادشاہت تجھ کو دے دی جائے؟ بزرگ شخص کی یہ بات سن کر اس عالم نے بلا توقّف فوراً جواب دیا کہ مجھے یہ بات ہرگز منظور نہیں، ایسی بے وقوفی اور جہالت کی حالت میں بادشاہت کا کیا فائدہ؟ بھلا

میں علم کی روشنی چھوڑ کر جہالت کے گڑھے میں گرنا کیوں کر پسند کر سکتا ہوں؟ اِس پر اُس دانا شخص نے کہا کہ شکر کرو تم اس دولتِ علم سے مالا مال ہو، جس کے مقابلے میں دنیاوی دولت وثروت بلکہ بادشاہت بھی کوئی مقام ومرتبہ نہیں رکھتی۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو وہی دولت بخشتا ہے، جس کی اُسے تمنّا ہوتی ہے۔ تمہیں دولتِ علم کی خواہش تھی، سو اللہ تعالیٰ نے وہ تم کو تمہاری محنت وکوشش کے مطابق عطا فرما دی۔ علم تو نورِ خدا ہے، جو گناہ گاروں اور بدبختوں کو نہیں دیا جاتا۔ دنیا میں سب سے بڑی بدبختی جہالت اور علم سے محرومی ہے۔ ایک محتاج آدمی جو دولتِ علم سے مالا مال ہے، وہ بے علم بادشاہ سے بدرجہا بہتر ہے۔ امیر آدمی کی عزت اس کی دولت کی وجہ سے ہے، جب دولت ہی نہ رہی تو اس کی اپنی حیثیت بھی ختم ہوگئی، لیکن علم والا جس حال میں جہاں رہے یہ علم اُس کے لئے عزت کا ذریعہ بنا رہے گا۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے کسی نے دریافت کیا کہ علم بہتر چیز ہے یا دولت؟ آپ نے فرمایا کہ علم دولت سے بہتر ہے، اس لئے کہ دولت مندوں میں قارون وفرعون بھی نظر آتے ہیں جب کہ علم پیغمبروں کی میراث ہے۔

انسان دولت کی خود حفاظت کرتا ہے اور بعض اوقات یہ دولت انسان کی زندگی کا چراغ بھی گل کر دیتی ہے لیکن علم انسان کی حفاظت کرتا ہے۔ دولت والے آدمی کے دشمن بہت ہوتے ہیں لیکن علم والے آدمی کے دوست۔ مال خرچ کرنے سے کم

ہوتا ہے جبکہ علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔ دولت کو چور چرا سکتے ہیں لیکن علم نہیں چرایا جا سکتا۔ دولت تکبّر وغرور سکھاتی ہے لیکن علم تحمل و بردباری کا درس دیتا ہے۔ مال ودولت کی حدود متعیّن ہیں لیکن علم کی کوئی حد نہیں ہوتی۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام کو علم، مال اور سلطنت میں اختیار دیا گیا تو انہوں نے علم کو پسند کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ انہیں مال ودولت اور سلطنت بھی عطا کر دی۔

اسی لئے علماءِ کرام کو چاہیے کہ وہ علمِ اسلامی سے پیار کریں اپنی اولاد کو اسلامی علوم پڑھائیں معاش و معاشرہ کے خطرہ سے اُنہیں انگریز نہ بنائیں۔ معاش و معاشرہ موہومی (خیالی ووہمی) مسئلہ ہے علم کے فوائد ومنافع نقد ہیں۔ اسی لئے آپ حضرات نقد پر موہومی (خیالی ووہمی) اُمور کو ترجیح نہ دیں۔

ہارون الرشید کی علمی دوستی

تاریخ میں مشہور ہے کہ امام کسائی رحمۃ اللہ علیہ کو خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے بیٹوں، امین اور مامون کا اتالیق (اُستاد) مقرر کیا تھا۔ حضرت کسائی رحمۃ اللہ علیہ جب درس وتدریس سے فارغ ہو کر شاہی محل سے جانے لگتے تو دونوں بچے احتراماً دروازے کی طرف لپکتے۔ ہر ایک کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ وہ بڑھ کر پہلے اُستاد کو جوتا پہنائے۔ اُستادِ محترم ہر روز یہ کشمکش دیکھتے تھے۔ ایک دن اُنہوں نے دونوں

بچوں سے کہا ”دیکھو! میں تمہاری اس عادت سے بہت خوش ہوں مگر اس میں جھگڑا کرنے کی کوئی بات نہیں تم دونوں جوتوں کا ایک ایک پاؤں اٹھالیا کرو“۔

اب دونوں شہزادے خوش تھے۔

ایک دن ہارون الرشید نے اپنے درباریوں سے پوچھا۔”اِس وقت ملک کی سب سے محترم اور بزرگ ہستی کون سی ہے؟“

سب نے باری باری خلیفۃ المومنین ہی کا نام لیا۔

ہارون الرشید نے کہا۔

”نہیں اس وقت سب سے محترم ہستی وہ بزرگ ہیں جن کی جوتیاں میرے دوشہزادے امین اور مامون سیدھی کرتے ہیں“۔

امام کسائی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار مقتدر علماء کرام میں ہوتا ہے اور ماہرینِ لسانیات کی مہارت میں اُن کا پایہ بہت بلند تھا۔ کوفے کے ماہرینِ لسان میں اُن کی شخصیت بہت ممتاز تھی۔

یہ تھے مسلمان بادشاہ جو علماء اور اساتذہ کی عزت کیا کرتے تھے۔ اُن کی آمد پر کھڑے ہوجایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اُستاد سے نظر تک نہ ملاتے تھے، سرجھکا کر بات کرتے بلکہ اُستاد کے ہر حکم کی تعمیل کرتے اور اُستاد کی خدمت کو سعادت سمجھتے۔ لیکن آج کل اُستاد پر نکتہ چینی کرنا، گستاخی سے پیش آنا بلکہ مقابلہ کرنا

ایک ذریعۂ کمال سمجھ لیا گیا ہے۔ ناراض تو اُستاد کو ہونا چاہئے کہ وہ نہ پڑھائے لیکن یہاں الٹا شاگرد ناراض ہو کر درسگاہ سے باہر چلے جاتے ہیں۔ پھر سرِ بازار اُستادوں پر آوازیں کستے ہیں تو طلبا کو حاصل کیا ہوگا؟

؎ برایں عقل و دانش بباید گریست

آج بھی

اسلاف کے ایسے نمونے تو بیشمار ملتے ہیں لیکن دورِ حاضرہ میں بھی اساتذہ کے اعزاز و اکرام میں بعض سعادتمند لوگ اپنے ہمجولیوں سے سبقت لیجاتے ہیں۔ اخبار کا ایک تراشہ ملاحظہ ہو جس کا عنوان ہے۔

اُستاد کو اُس کے وزن کے برابر ہار پہنائے گئے

سکھر ۸ دسمبر جنگ نیوز، آج کے دور میں جب رشتوں کا تقدّس ہر سطح پر پامال ہوتا نظر آرہا ہے اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اُستاد کے مرتبے کو سمجھتے ہیں اور اُس کا باقاعدہ احترام کرتے ہیں اس کی مثال سکھر کی تاریخ میں پہلی بار اُس وقت نظر آئی جب تین لڑکوں نے مٹھائی بنانے کا کام سیکھنے کے لئے شہر کے مشہور مٹھائی بنانے والے اُستاد محمد یونس کو اپنا اُستاد بنایا۔ عبدالمجید محمد ابراہیم اور نورحسن جو مٹھائی بناتے ہیں۔ اُنہوں نے محمد یونس کو اپنا اُستاد بنانے کی رسم تزک و احتشام سے منائی۔ اُستاد کو پگڑی باندھی گئی اور نوٹوں اور پھولوں کے ہاروں سے لاد کر ڈھول تاشوں کے ساتھ

اُن کا جلوس نکالا اور لڑکوں نے اس موقع پر رقص بھی کیا۔ راستے میں لوگوں کو مٹھائی بھی بانٹی گئی۔ اُستاد بنائے جانے کی اس منفرد مثال اور جلوس کو دیکھنے کے لئے ہزاروں لوگ جمع ہو گئے اور شہر کے مٹھائی فروشوں نے اُستاد محمد یونس کو ڈیڑھ من ہار ڈالے جو اُن کے وزن کے برابر تھے۔

انتباہ

چونکہ یہ اُستاذی شاگردی ایک دنیوی اُمر سے متعلق ہے اسی لئے ہم شاگردوں کی غلط رسم کی تعریف نہیں کر رہے بلکہ اعزاز اُستاد کی بات کر رہے ہیں اس سے ہمارے علماءِ کرام ومشائخِ عظام عبرت لیں کہ مٹھائی سکھانا ایک معمولی فن ہے جس پر شاگرد اپنے اُستاد کو اتنا بہت بڑا اعزاز دے رہے ہیں اور ہم علم جیسی نعمت جو ایک قیمتی جوہر ہے جس اُستاد سے حاصل کرتے ہیں اُس کی قدر ومنزلت میں بے پرواہی برتنا کتنی افسوسناک بات ہے۔

فائدہ: دورِ سابق اور دورِ حاضر کے شاگردوں میں ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم نے خوب موازنہ فرمایا

تھے وہ بھی دن کہ خدمتِ استاد کے عوض ☆ دل چاہتا تھا ہدیۂ دل پیش کیجئے

بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق ☆ کہتا ہے ماسٹر سے کہ بل پیش کیجئے

لطیفہ:

یہ نظام کچھ ایسا بدلا ہے کہ دورِ سابق میں شاگرد فراغتِ علمی کے بعد اُستاد کو انعامات میں جاگیر وقف کی جاتیں، زرّ و جواہر سے تولا جاتا تھا۔ دورِ حاضر میں ہم جب کسی شاگرد کو فارغ کرتے ہیں تو اُلٹا اسے کچھ دینا پڑتا ہے اور کچھ نہ سہی تو دستارِ فضیلت کے نام سے شاگرد اساتذہ سے کم از کم پگڑی لے کر ضرور جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ دورِ سابق اُساتذہ کچھ لیتے تھے اب مجبوراً یا خوشی سے کچھ دینا پڑا۔ گویا لینے کے دینے پڑ گئے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور اُستاذ

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اپنے استاذ امام حماد رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف پاؤں نہیں پھیلاتے تھے حالانکہ امام حماد رضی اللہ عنہ کے گھر اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مکان کے درمیان اور بھی کافی مکانات تھے۔

(مناقب الموفق، مطبوعہ حیدر آباد۔ دکن)

فائدہ:

سچ ہے: ؎ قدر زر زرگر بداند یا بداند جوہری

ایک عربی مقولہ مشہور ہے "انما یعرف الناس ذووہ" قدر والوں کی قدر قدر والے جانتے ہیں۔ بے قدروں کو قدر والے کی کیا خبر۔

اُستاد کا احترام

شہاب الدّین غوری کا ایک حاکم امیر تاج الدین یلدز تھا اُس کا ایک لڑکا اُستاد سے پڑھ رہا تھا اُستاد نے تادیباً غصہ میں ایک کوڑا سر پر مارا تو وہ مرگیا۔ یلدز کو خبر ہوئی تو اُستاد کو زادِراہ (راستے کا خرچہ) دے کر کہا کہ لڑکے کی ماں کی آگاہی سے پہلے تم یہاں سے چلے جاؤ۔ (طبقاتِ ناصری، صفحہ ۱۳۳)

درسِ عبرت:

اُستاد نے شاگرد کی جان لے لی لیکن امیر یلدز نے بجائے اُستاد سے غصہ کرنے کے زادِراہ (راستے کا خرچہ) دیکر گھر بھیج دیا تاکہ بعد کو اُن کی عزّت واحترام پر دھبّہ نہ آئے۔

اسلامی علوم کے قدردان

مندرجہ ذیل شاہانِ اسلام کی اسلامی علوم کی قدردانی مشہور ہے۔

(1) سکندر لودھی (2) غیرت خان (3) بداؤنی میں بلبن کے بڑے لڑکے سلطان محمد شہید صوبے دار ملتان کے ذکر میں ہے کہ دو نوبت زرلیار از ملتان بشیراز فرستاد التماس مخدوم شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نمود۔ شیخ بعذر پیری نیامد (تاثر رحیمی، جلد ا صفحہ ۱۳۰) دوبار ملتان سے زرکثیر شیراز روانہ کی تاکہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ ملتان شریف لے آئیں۔ لیکن شیخ نے بڑھاپے کا عذر کیا۔ (4) بنگال سے حافظ پیراز کی

طلبی (نظامِ تعلیم وتربیت، صفحہ ۴۱) (5) دکن میں مولانا جامی قدس سرہٗ اور دوسرے علماء کی دعوت (نظامِ تعلیم وتربیت، صفحہ ۴۲) (6) قاضی عضد نے جب مواقف کا متن لکھا تو محمد تغلق نے اس کتاب کو اپنے نام معنون کرنے اور قاضی صاحب کو ہندوستان بلانے کے لئے ایک خاص عالم کو شیراز روانہ کیا۔ مولانا آزاد بلگرامی ماثر الکرام صفحہ ۱۸۵ میں لکھتے ہیں کہ آورداند کہ سلطان محمد مولانا معین الدین رابہ ولایت فارس نرد قاضی عضید کی فرستاد والتماس نمود کہ ہندوستان تشریف آور امتین مواقف رابہ نام اوسازد (7) شاہ ابو اسحاق شیرازی بادشاہ نے جب قاضی عضد کی طلبی کا حال سنا کہ سلطان محمد تغلق شاہِ ہند مواقف کو اپنے نام معنون کرانا چاہتا ہے تو قاضی عضد کے پاس حاضر ہو کر عرض کی کہ بیوی کے سوا اب وہ سب کچھ جو میرے پاس ہے حتیٰ کہ حکومت بھی لیجئے لیکن آپ کو نہ ہندوستان جانے دیا جائیگا اور نہ یہ کتاب کسی دوسرے کے نام معنون ہو سکتی ہے۔ مولانا آزاد اور شیخ محدث کی کتب سے تلاش (نظامِ تعلیم وتربیت، صفحہ ۴۲)

(8) ایک بادشاہ کو علم سے محبت وعقیدت تھی اسی لئے وہ عربی طلبہ سے ملاقات کرتا رہتا تھا ایک مرتبہ مدرسۂ اسلامی میں گیا۔ ایک طالب علم سے کہا کیا پڑھتے ہو؟ عرض کی کافیہ فرمایا لفظ کی ترکیب کرو اُس نے کہا الکلمة فعل لفاظ فاعل بادشاہ نے سو دینار انعام دے دیا۔ وزیر نے کہا اس نے جواب غلط دیا آپ نے

انعام دے دیا۔ بادشاہ نے کہا مجھے اس پر بھی خوشی ہے کہ یہ فعل فاعل کو تو جانتا ہے۔

فائدہ: غور فرمائیے علم کی قدردانی کی انتہا ہوگئی کہ علمِ اسلامی کی معمولی سمجھ بوجھ پر انعام سے نوازا جاتا اور آج............

(9) مؤرخین لکھتے ہیں کہ محدّث مروزی نے جب درسِ حدیث کا حلقہ قائم کیا تو اُن کے درس کا چرچا ہوا تو محدث مروزی کے ساتھ اُمراء حکام کا سلوک یوں تھا۔ **اسماعیل بن احمد وائی خراسان یصله فی کل سنته باربعة آلاف درهم ویصله اخوه اسحاق باربعة آلاف درهم ویصله اهل سمر قندر باربعة آلاف درهم:**

خراسان کے گورنر اسماعیل بن احمد سالانہ چار ہزار درہم اور اسحاق چار ہزار درہم اور سمرقند کے باشندے بھی چار ہزار درہم سالانہ محدث مروزی کی خدمت میں پیش کرتے۔

بارہ ہزار مستقل آمدنی کے باوجود محدث مروزی اتنے شاہ خرچ واقع ہوئے کہ آخر سال تک اُن کے پاس ایک کوڑی بھی باقی نہیں رہتی تھی۔ احباب نے ایک دن کہا، **بوجهت منهانس ئبة** کیا اچھا ہوتا کہ کسی ضرورت کے وقت کے لئے اس آمدنی سے آپ کچھ کرتے جاتے۔ آپ نے جواب میں فرمایا۔ **باسبحان اللّٰہ انابقیت عصر کذاو کذاسنته فکان قوتی وثیابی و کاغذی وجری وجمیع**

ماانفقه، علی نفسی فی السنته عشرین درھماً افتری ان ذھب ھذا الایقی ذلک۔ (الخطیب، جلد ۳، صفحہ ۳۱۷)

واہ سبحان اللہ! میں مصر میں اتنے اتنے سال تک رہا (بزمانہ طالب علمی) اس زمانہ میں میری خوراک، میرے کپڑے میرے کاغذ اور میری روشنائی ہوتے تھے اور جو کچھ بھی میرے مصارف سال بھر میں ہوتے تھے کل بیس درہم سب کے لئے کافی ہوتے تھے۔ پھر کیا تم خیال کرتے ہو کہ اگر یہ بارہ ہزار سالانہ کی آمدنی جاتی بھی رہے تو بیس درہم کی سالانہ آمدنی بھی باقی نہ رہے گی۔

فائدہ: محدث مروزی رحمۃ اللہ علیہ کی آمدنی اور خرچ سے ہماری بحث نہیں ہم نے یہ بتانا ہے کہ اُمراءعلم کے کتنا قدردان تھے کہ انہیں ہر ماہ گھر پر سب کچھ پہنچا دیتے۔

ملاعبدالقادر نے کہا ہے کہ شاہی کتب خانہ سے ایک کتاب ''خوداقرای'' نامی گم ہوگئی تھی شہزادی سلیمہ سلطان بیگم کو اس کتاب کی ضرورت ہوئی کتب خانہ میں نہ ملی شاہی کتب خانہ ملاعبدالقادر کی نگرانی میں تھا لیکن وہ ملازمت ترک کر کے بداؤں چلے گئے۔ صرف اس کتاب کی تلاش میں شہزادی نے دلچسپی لی چنانچہ ملاعبدالقادر لکھتے ہیں کہ تقریب کامۂ افزا کہ از کتب خانہ گم شدہ بود محصے سلیمہ سلطان بیگم مراچند بار اور فرمود زھر چند قاصد ان ازیاران ببداؤں افتذ بہ تقریب مواقع آمدن نشد آخر حکم زوتلہ کہ

مدد معاش اور افو قوف دارند و خواهی نخواهی طلبند (جلد ۳، صفحہ ۳۷۷)

(10) ہندوستان میں بیرونِ اسلامی ممالک سے آمد ورفت کا لا متناہی سلسلہ جاری تھا حج کا قافلہ بھی خصوصاً مغلوں کے عہد میں لاکھوں لاکھ روپے کے ساتھ بھیجا جاتا تھا اس کا ایک کام کتابوں کی فراہمی کا مسئلہ بھی تھا۔ اکبر نے سب کچھ بند کر دینے کے باوجود حج کے قافلہ کی روانگی کو بدستور جاری رکھا نوادر علوم کی کتابوں کا اکبر کتنا شائق تھا تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کے پاس تحفے وہدیئے میں عرب سے لوگ کتابیں بھیجا کرتے تھے اِس ذوق وشوق کا نتیجہ تھا کہ نادر کتابیں اُس کے پاس جمع ہوگئی تھیں اس کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ ''حموی کی معجم البلدان عجی'' ضخیم کتاب صرف یہی نہیں کہ اکبر کے کتب خانہ میں موجود تھی بلکہ اسکا فارسی ترجمہ بھی کرایا اس کے ترجمہ میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ بجائے واحد شخص کے مصنفوں اور مؤلفوں کی ایک جماعت سے لیا گیا۔ ملا عبدالقادر فرماتے ہیں۔ **در از دہ کس فاضل راجمع نمودہ کزا فجری (تقسیم کرکے) ساختہ تقسیم فرمودند۔**

(11) فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں بادشاہ بہ نفسِ نفیس عملاً شریک تھا۔ روزانہ جتنا ہوسکتا تھا بالترتیب بالالتزام لفظاً لفظاً اسے غور سے سنتے تھے موقعہ موقعہ سے مناسب ترمیم بھی بادشاہ کی طرف سے عمل میں آتی تھی۔

حضرت سُلطان شیر شاہ سُوری رحمۃ اللہ علیہ :

بظاہر ایک معمولی جاگیردار کا فرزند سلطان شیر شاہ سوری ہندوستان کے بادشاہوں میں بحیثیتِ مجموعی بے نظیر شخصیت کا مالک گزرا ہے۔ اس میں دل و دماغ کی اسقدر خوبیاں جمع ہوگئی تھیں کہ اس کے مخالفوں بلکہ دشمنوں نے بھی اُسے خراج تحسین ادا کیا ہے مثلاً جب ہمایوں نے اس کے مقابلے میں پہلی بار شکست کھائی تو ایسی بدحواسی کے عالم میں بھاگا کہ بیوی اور دوسری خواتین خاندان شاہی دشمن کے قبضے میں آگئیں۔ لیکن شیر شاہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ اِن قیدیوں میں ہمایوں کی بیوی بھی ہے تو اُس نے سب عورتوں کو بڑی عزت اور حفاظت کے ساتھ آگرہ بھجوادیا۔ اسی طرح اُس نے اپنے مختصر عہدِ حکومت میں جو نظام حکمرانی مدّون کیا تھا۔ اس کے دشمنوں یعنی مغلوں نے اُسے بجنسہٖ اختیار کرلیا۔ محض اس لئے کہ وہ اس سے بہتر نظامِ حکومت مدوّن نہیں کر سکے۔

قوتِ حافظہ :

شیر شاہ ایک معمولی جاگیردار کا بیٹا تھا۔ جونپور کے شاہی مدرسے میں عربی اور فارسی ادبیات میں مہارت تامہ حاصل کی۔ اس کے حافظے کا یہ عالم تھا کہ گلستانِ بوستان اور سکندر نامہ یہ تینوں کتابیں اُسے حفظ تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے مدۃ العمر علماء اور فضلاء کی تعظیم وعزت کی اور اپنے پنج سالہ عہد حکومت میں آگرہ میں بیشمار مکاتب ومساجد ومدارس میں شفاخانے سرائیں بنوائیں۔

علماء کی قدردانی:

اِس کا اندازہ اِس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ ایک دن شام کے وقت وہ حکومت کے قاضی القضاء مولانا محمد رفیع الدین کی معیت میں مسجد سے باہر نکلا۔ جب سڑک پر آیا تو سامنے سے ایک فیلِ مست آتا ہوا دکھائی دیا۔ یہ دیکھ کر مولانا شیر شاہ کے آگے آگے چلنے لگے مگر شیر شاہ نے یہ کہہ کر انہیں اپنے پیچھے رکھا کہ مولانا اگر ہاتھی مجھے مار ڈالے گا تو کوئی سردار میری جانشینی کی اہلیت رکھتے ہیں لیکن اگر آپ کو گزند پہنچ گیا تو میری ساری مملکت میں دوسرا رفیع الدین نہیں ہے۔ شیر شاہ شریعت کا اس قدر پابند تھا کہ پانچوں نمازیں مسجد میں باجماعت ادا کرتا تھا۔ اور اس نے اپنی مملکت میں تمام خطیبوں کو حکم دیا تھا کہ ہر جمعے کو اپنے خطبے میں شریعت کے احکامات بیان کیا کریں۔

رعایا پروری:

سلطان سوری نے اپنی سلطنت میں منادی کرادی تھی کہ ہماری حکمرانی میں کوئی شخص مظلوم بن کر نہیں رہے گا۔ کوئی شخص بھوکا نہیں سوئے گا کوئی شخص کاسۂ گدائی (بھیک کا کشکول) لے کر نہیں نکلے گا۔ اور جس شخص کو کوئی سہارا نہیں ہوگا اُس کی دیکھ بھال اور نگہداشت حکومت کرے گی۔ شیر شاہ نے اُن اصولوں کا احترام آخر تک کیا۔ اور دنیا شیر شاہ کا احترام اُس وقت تک کرتی رہے گی جب تک جہانبانی کی بنیادیں انسانی ہمدردی اور انصاف پر قائم رہیں گی۔

شیر شاہ پنجاب میں خواندہ پہنچا تو وہاں ٹھہرا اور حکم دیا کہ پنجاب میں جن لوگوں کے معاش میں کمی ہے اُن کو زیادہ دیا جائے۔ تمام لوگ جمع ہوئے ایک روز شیر شاہ وہاں فجر کی نماز کے بعد تخت پر بیٹھا تو قاضی میر سرور کے ساتھ ایک نوجوان نظر آیا۔ شیر شاہ نے قاضی صاحب سے پوچھا کہ یہ آپ کا خویش (شاگرد) ہے کوئی فضیلت بھی رکھتا ہے قاضی صاحب نے جواب دیا، طالبِ علم ہے، کافیہ پڑھتا ہے۔ شیر شاہ کو کافیہ حواشی کے ساتھ یاد تھی۔ طالب علم سے پوچھا عمر منصرف ہے یا غیر منصرف طالب علم نے جواب دیا غیر منصرف شیر شاہ نے پوچھا کس دلیل سے؟ طالب علم نے بہت سے دلائل پیش کئے اور ہوش مندانہ جواب دیئے۔ شیر شاہ نے اُس کو پانچ سو بیگھے زمین اور پانچ سو روپے نقد دینے کا حکم دیا۔ طالب علم نے کہا میں کلامِ ربانی کا حافظ بھی ہوں۔ شیر شاہ نے پانچ سو بیگھے زمین اور پانچ سو روپے مزید دینے کا حکم دیا۔ پھر طالب علم سے پوچھا کہ اب تم نے اپنی قابلیت کے مطابق معاش اور نقدی پالی؟ طالبِ علم نے جواب دیا، جی ہاں، بادشاہ عالم سلامت اپنی قابلیت کے مطابق تو پالیا لیکن بادشاہ کے کرم کے مطابق نہیں پاسکا شیر شاہ نے پانچ سو بیگھے زمین اور پانچ سو روپے نقد اور دیئے۔ اس طرح کل ڈیڑھ ہزار بیگھے زمین اور ڈیڑھ ہزار روپے ہوئے۔ اسی وقت نقد دے دیئے گئے اور زمین جلد از جلد عطا کرنے کا حکم دیا۔ (تاریخِ داؤدی، صفحہ ۱۳۲)

ابنِ بشار کا اعزاز

امام ابوبکر بن بشار ادب کے مشہور امام بغداد میں شاہزادوں کے اتالیق تھے ایک روز قصرِ خلافت کو جاتے ہوئے نخاس سے گذرے وہاں اُن دنوں ایک جاریہ آئی ہوئی تھی جس کے حسن وسلیقے کا سارے بغداد میں شہرہ تھا ابنِ بشار اس کو دیکھ کر مفتون (فریفتہ) ہو گئے۔

جب دارالخلافہ میں پہنچے تو خلیفہ نے پوچھا، آج کیوں دیر ہو گئی۔ انہوں نے ماجرا سنایا۔ خلیفہ نے سُن کر خفیہ طور پر وہ جاریہ خرید کر کے اِبنِ بشار کے مکان پر اُن کے پہنچنے سے پیشتر پہنچا دی۔ جب علامہ ممدوح اپنے مکان پر واپس آئے تو جاریہ کو بیٹھے پایا۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس کو بالا خانے میں بھیج دیا اور خود وہیں بیٹھ کر ایک علمی مسئلہ کی تحقیق میں مصروف ہو گئے۔ غور کرتے تو طبیعت کا لگاؤ اُس جاریہ کی طرف ہو جاتا ابنِ بشار رحمۃ اللہ علیہ نے خادم کو آواز دی اور فرمایا اس جاریہ کو واپس لے جاؤ کیونکہ مطالعہ میں خلل آتا ہے چنانچہ حسب الحکم خادم جاریہ کو واپس کر آیا۔ (نزہۃ، صفحہ ۳۳۲)

فائدہ: ابن بشار کے علمی شغف (بے انتہا رغبت) کی جتنی تحسین کی جائے کم ہے لیکن خلیفہ کی علم نوازی پر غور ہو کہ اس نے ایک عالمِ دین کی قلبی خواہش پورا کرنے میں کتنی عجلت دکھائی۔ آج کے دور میں تو اس طرح کا واقعہ الٹا علماء کے لئے مذاق بن

جاتا ہے وہ صرف اس لئے کہ علماء سے محبت نہیں اور نہ ہی ان کے علوم کی قدردانی۔

اس قسم کے ہزاروں نہیں کروڑوں بلکہ بیشمار واقعات علم نوازی اور علم دوستی کے کتب تواریخ میں بھرے پڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ کریم اہلِ علم کی عزت وعظمت کی خود کفالت فرمائے اور عوام اہل اسلام کے دلوں میں علماء کی قدر و منزلت اور اُن سے عقیدت پیدا فرمائے۔

آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین صلی اللّٰہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔

مدینے کا بھکاری

الفقیر القادری محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ

بہاول پور۔ پاکستان

★...★...★

★...★

★